خلافت عثمانیہ میں قاضی کی تقرری اور معزولی کا طریق کار اور اس کا شرعی جائزہ

ڈاکٹر محمد اسلم خان* ڈاکٹر رشاد احمد**

ABSTRACT:

Procedure of Appointment and Termination of a Judge (Q┐ ╓┘) in Ottoman Caliphate and its Legitimacy in Islamic *Shar┘ 'ah*

The over riding significance of the institution of Q┐ ╓┘ is established in every period of Islamic History. Q┐ ╓┘ settles the disputes between the parties strictly in the light of *Shar┘ 'ah*. Q┐ ╓┘ holds his position in Islamic State and is appointed and terminated by the Supreme Authority. The Holy Prophet (PBUH) himself occupied this position and appointed Q┐ ╓┘ *s* in other areas. This tradition was continued during the period of *khil┐ fah al-R┐ shidah* and in the subsequent eras of Islamic History. This was a prominent institution during Ottoman Caliphate, which spread over a period of six centuries and twenty five years.

This research article explorers and explains the significance of this institution as well as methods of appointment and termination of Q┐ ╓┘ during this period. The article is an attempt to highlight the importance of Judiciary in good governance.

Key words: Judge, Q┐ ╓┘ , Ottoman Caliphate, Appointment and Termination of a Judge, Islamic *Shar┘ 'ah*.

قاضی کی لغوی واصطلاحی تعریف:

لفظ قاضی، قضی یقضی قضاء سے ماخوذ ہے، جس کے لغوی معنی بنیادی یا قطعی فیصلہ کرنا اور اصطلاحاً اس سے مراد کسی حکم (ثالث) یا قاضی کا دو یا دو سے زیادہ متنازعہ فریقوں کے مابین حق کے مطابق تصفیہ کرنے یا ان پر اپنا فیصلہ نافذ کرنے کے ہیں۔ لہٰذا قاضی سے مراد عدل پر مامور وہ حاکم شرعی اور صاحب اختیار فرد ہے جو کسی حق کے مطالبہ میں دو یا زیادہ متنازعہ فریقوں کے مابین قانون شرعی کے مطابق حقِ مطالبہ کی حقیقی نوعیت دریافت کر کے فیصلہ کرے قاضی کی جمع قضاۃ ہے۔[1]

قضاء اور قاضی کی تقرری کی ضرورت واہمیت:

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف ہری پور۔

** اسسٹنٹ پروفیسر شیخ زاید اسلامک سنٹر، یونیورسٹی آف پشاور۔

جس طرح انسانی جسم کی صحیح نشو و نما اور بقاء خوراک، لباس اور دوسری مادی اشیاء کے بغیر ناممکن ہے اسی طرح انسان کی معاشرتی زندگی کا وجود اور بقا قیام عدل اور قضاء کے بغیر محال ہے۔ چنانچہ اسی اساسی حصول مقصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علامہ الحمویؒ کے نزدیک ضرورت واہمیت کے اعتبار سے قضاء کا مرتبہ ثبوت کے فوراً بعد ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر کے ان کو شریعتوں پر عمل کرنے کا پابند کیا اور ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے انبیاءؑ کو قاضی بنا کر مبعوث فرمایا۔[2] نہ صرف یہ کہ انسان کی معاشرتی زندگی کا وجود قیام عدل اور قضاء پر موقوف ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ترقی اور خوشحالی بھی قیام عدل وانصاف کے ساتھ وابستہ کر رکھی ہے۔ جبکہ ظلم اور ناانصافی ان کی رسوائی اور ناکامی کا باعث ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو کبھی بابرکت نہیں کرتا، جس میں حق کے موافق فیصلے نہ ہوتے ہوں اور کمزور طاقتور سے اپنا حق بغیر کسی رکاوٹ کے نہ لے سکتا ہو"۔[3] بابرکت ایک جامع اور وسیع المعنیٰ لفظ ہے، جس سے مراد انسان کی دنیوی واخروی زندگی کی بھلائی، خوشحالی اور کامرانی ہے۔

اسلام کا یہ نظام قضاء مختلف ادوار کی نت نئی ضروریات کو بہتر طور پر پورا کرتا رہا ہے۔ اس نظام کا باقاعدہ آغاز دور نبوی ﷺ سے ہوا جس کے لئے حضور اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں بذات خود دیگر فرائض کے علاوہ قاضی کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔[4] جبکہ دوسرے صوبوں کے لئے آپ ﷺ نے اپنے معزز صحابہ کرامؓ میں سے الگ الگ عامل مقرر فرمائے جو دیگر انتظامی امور کے ساتھ ساتھ قاضی کے فرائض بھی پورا کرتے رہے۔[5] عہد خلافت راشدہ اور بعد کے اسلامی ادوار میں بھی تمام صوبوں اور ضلعوں میں عدالتیں قائم کی گئیں اور قاضی مقرر کئے گئے۔[6]

قاضی کی تقرری کا شرعی حکم:

بحث مذکور سے معلوم ہوا کہ قیام عدل اور لوگوں کے مابین اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کا فرض تقرر قضاۃ کے بغیر ناممکن ہے لہٰذا اس فرض کی ادائیگی کیلئے نظام قضاء یعنی عدلیہ کا قیام اور قاضیوں کا تقرر فرض ہے جس کی وضاحت علامہ کاسانی نے یوں کی ہے:

> قاضی مقرر کرنا فرض ہے۔ اس لئے کہ قاضی کا تقرر فرض کی ادائیگی کے لئے کیا جاتا ہے اور وہ ہے فیصلہ کرنا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام / خلیفہ (سربراہ مملکت) کا تقرر فرض ہے اور اس کے فرض ہونے میں اہل حق کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ ظاہر بات ہے کہ خلیفہ اپنے فرائض منصبی تنہا انجام نہیں دے سکتا، لہٰذا لازمی طور پر اسے نائب کی ضرورت پڑے گی جو اس فرض کی ادائیگی میں اس کا

قائمقام ہو، اور یہ نائب قاضی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مملکت اسلامیہ کے مختلف علاقوں میں قاضی مقرر کر کے بھیجا کرتے تھے۔[7]

خلافت عثمانیہ میں قاضی کی تقرری اور شرعی حکم:

وضاحت ہذا کی روشنی میں جب ہم خلافت عثمانیہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ خلافت عثمانیہ میں قاضی سلطان کا نائب ہوتا تھا، اس لئے اس کی تقرری کی تمام تر ذمہ داری سربراہ مملکت کے ذمہ تھی۔ اس حقیقت کا اظہار مجلۃ الاحکام العدلیہ، جسے اس دور میں قانونی لحاظ سے سنگ میل کی حیثیت حاصل تھی، کے مندرجہ ذیل بیان سے واضح ہے: "الحاکم وکیل من قبل السلطان في اجراء المحاکمة والحکم" یعنی "حاکم (قاضی) سلطان (سربراہ مملکت) کا نائب ہوتا ہے، تاکہ فیصلہ کرے اور حکم جاری کرے"۔[8] یہاں حاکم سے مراد قاضی ہی ہے، کیونکہ اس دور میں حاکم کی اصطلاح دیگر حکام کی طرح قاضی کے لئے بھی مستعمل تھی، جیسا کہ اسی مجلہ کے الفاظ سے ظاہر ہے:

> حاکم (قاضی) دو متخاصمین (نزاع کرنے والوں) کے مابین عدل کے لیے مامور ہے اس لیے اس پر لازم ہے کہ تمام عدالتی امور میں عدل و مساوات کا پورا پورا لحاظ رکھے)۔[9]

بیان مذکورہ سے اس امر کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ قیام قضاء کا تعلق مسلمانوں کی مصالح سے ہے اور امیر (سربراہ مملکت) کے انتخاب کا مقصد مصالح مسلمین کا حصول اور انھیں نقصان سے بچانا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے مفادات کی حفاظت کی خاطر قاضیوں کے تقرر کی ذمہ داری بھی امیر (سربراہ مملکت) پر عائد ہوتی ہے جس کی تصریح الماوردی کے الفاظ سے خوب ہوتی ہے:

> امام (خلیفہ / سربراہ مملکت) کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے زیر امارت علاقوں اور آبادیوں کا جائزہ لے۔ اگر کسی علاقہ یا شہر کے لئے کوئی قاضی مقرر ہے جو اپنے فرائض منصبی مناسب طور پر انجام دے رہا ہے، تو ٹھیک ہے۔ اور اگر اس علاقہ کے لئے کوئی قاضی مقرر نہیں یا ہو لیکن مناسب طور پر کام انجام نہیں دے رہا ہو، تو اس پر قاضی کا مقرر کرنا واجب ہے۔[10]

لیکن یہ تقرر اہلیت کی بناء پر ہو ورنہ قیام عدل اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حفاظت ممکن نہیں۔ جس کی تصریح ابن عابدین نے یوں کی ہے:

منصب قضاء دین کا ایسا اہم منصب ہے جس پر مصالح مسلمین کا حصول موقوف ہے کیونکہ اس کے ذریعہ نہ صرف عدل قائم ہوتا ہے بلکہ لوگوں کے حقوق کی حفاظت بھی ہوتی ہے۔ اس لیے امام کی ذمہ داری ہے کہ اس منصب پر کسی تقرری کے وقت کام کی نزاکتوں اور اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بہتر سے بہتر آدمی کا تقرر کرے (یعنی اہلیت کی بنیاد پر تعینات کرے)۔[11]

مرکزی سطح پر سربراہ مملکت کی جانب سے قاضی کی تقرری اور معزولی کی ذمہ داری کے بعد قاضی کی تقرری و معزولی کے بارے میں دوسرے درجہ پر صوبائی قاضی (عدالتی امور میں صوبائی انچارج) کی حیثیت ہے۔ خلافت عثمانیہ میں صوبائی قاضی اپنے دائرہ اختیار کے تمام اضلاع اور تحصیلوں میں عدالتی امور کی انجام دہی میں قاضیوں کی تقرری کا مجاز ہوتا تھا جس کا ذکر اس دور کے قانونی مسودہ مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ان الفاظ سے ہے: "للحاکم ان ینصب النائب ویعزلہ، ان کان مأذونا بذلک والا فلا" یعنی "حاکم (قاضی) کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ مجاز ہو تو اپنا نائب مقرر کرے یا معزول کرے اور اگر اس کے لئے وہ مجاز نہ ہو تو وہ نہ نائب مقرر کر سکے گا اور نہ اسے معزول کر سکے گا"۔[12]

یعنی ضابطہ ہذا کی رو سے اس دور کے صوبائی قاضی کو اپنے نائب کی تعیناتی اور معزولی کا اختیار حاصل تھا لیکن اس کا یہ اختیار اس کے قانونی صوابدید تک محدود تھا ورنہ نہیں۔

قانون شرعی میں بھی ہر صاحب مجاز قاضی کو اپنے دائرہ اختیار میں اپنے نائب مقرر کرنے کا نہ صرف اختیار حاصل ہے بلکہ یہ اس کی ذمہ داری میں شامل ہے جس کی وضاحت الشربینی نے مغنی المحتاج میں ان الفاظ سے کی ہے کہ: "اگر وہ (صوبائی وعلاقائی قاضی) اپنے دائرہ اختیار کے تمام علاقوں کے عدالتی امور کی خود دیکھ بھال کرنے سے قاصر ہو تو جن امور میں وہ براہ راست دیکھ بھال پر قادر نہ ہو تو ان کے لئے دوسرے قاضیوں کا تقرر اور فرائض منصبی بخوبی ادا نہ کرنے میں معزول کرنا اس کی ذمہ داری ہے"۔[13]

خلافت عثمانیہ میں قاضی کی تقرری کے شرائط وضوابط اور شریعت:

منصب قضاء کی اہمیت اور نزاکت کے پیش نظر ہی فقہائے کرام نے اس منصب پر تقرر کے لئے جو اہم شرائط وضوابط بیان کئے ہیں اور جن پر دور نبوی □، خلافت راشدہ میں من وعن اور خلافت عثمانیہ سمیت تمام ادوار اسلامی میں کچھ کمی بیشی کے ساتھ عمل ہوتا رہا، حسب ذیل ہیں:

مسلمان ہونا:

خلافت عثمانیہ کے ابتدائی دور میں قاضی کے منصب پر دیگر شرائط کے ساتھ صرف مسلمان کو تعینات کیا جاتا تھا، کیونکہ خلافت ہذا کے قانون کی رو سے قاضی کے تقرر کیلئے مسلمان ہونا شرط تھا۔ لیکن بعد میں جب فتوحات کا سلسلہ جاری ہوا اور یورپ کے بہت سے علاقے زیر تسلط آ گئے تو غیر مسلموں کی حوصلہ افزائی اور ان کو سہولت بہم پہنچانے کی غرض سے نہ صرف قضاء بلکہ حکومت کے دیگر شعبہ جات میں بھی ان کا تقرر ہوا۔[14]

شرعی ضابطہ کے تحت بھی ارشاد خداوندی ﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾[15] یعنی ﴿اللہ تعالیٰ ہر گز کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ نہ دے گا﴾ کی رو سے مسلمانوں کے فیصل مقدمات و خصومات کے لئے کسی غیر مسلم کو عہدہ قضاء سپرد کرنا باطل ہے یعنی مسلمانوں کے تنازعات و خصومات نمٹانے کے لئے مسلمانوں کے سوا کسی غیر مسلم کو قاضی بنایا جانا جائز نہیں۔ البتہ احناف کے نزدیک غیر مسلموں کے باہمی تنازعات چکانے کے لئے غیر مسلم کو قاضی بنایا جا سکتا ہے۔[16] چونکہ خلافت عثمانیہ کے مسلمان حنفی مسلک کے پیروکار تھے اس لئے اس میں احناف کے اسی قول پر عمل ہوتا رہا کہ غیر مسلموں کے مقدمات کے تصفیے کے لئے غیر مسلم کو قاضی کا عہدہ سونپا جاتا تھا۔

(ب) بالغ مرد ہونا:

خلافت عثمانیہ کے قانونی مسودہ مجلۃ الاحکام العدلیہ کے تحت منصب قضاء پر تقرر کیلئے بالغ مرد ہونا ضروری تھا، جس کی تصریح مجلہ میں یوں ہے: "يلزم ان يكون الحاكم مقتدراً على التمييز التام بناء عليه لايجوز قضاء الصغير" یعنی "لازم ہے کہ حاکم (قاضی) میں اتنی صلاحیت موجود ہو کہ انسانوں میں تمیز کر سکے اس لئے کسی نو عمر صغیر کا قاضی ہونا جائز نہیں"۔[17] رہا اس دور میں منصب قضاء پر عورت کی تعیناتی کا سوال تو یہاں دفعہ ہذا میں عورت کا ذکر نہ کرنے سے معلوم ہوا کہ خلافت عثمانیہ میں مسلمانوں کے مقدمات کے تصفیے میں عورت کے قاضیہ بننے کا عمل دخل نہ تھا۔

شریعت کی رو سے بھی قاضی کی تقرری کے لئے بالغ مرد کا ہونا لازمی ہے کیونکہ نابالغ اہلیت وجوب سے محروم ہونے کی وجہ سے دوسروں پر حکم کا نفاذ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح عورتوں کی قاضی کے منصب پر تعیناتی بھی جائز نہیں جس کی تائید امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور جمہور فقہائے اسلام کے مسلک سے ہوتی ہے کہ فوجداری اور دیوانی ہر قسم کے مقدمات میں عورت کو قاضیہ نہیں بنایا جا سکتا۔[18] البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جن معاملات میں ان (عورتوں) کی شہادت مقبول ہے، ان تمام معاملات میں فیصلہ دینے کی بھی مجاز ہیں۔[19] جبکہ ابن جریر طبری ہر قسم کے مقدمات میں عورت کے قاضیہ بنائے جانے کے قائل ہیں۔[20] پس اس سلسلے میں ارشاد الٰہی ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ حدیث نبوی کہ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جس

نے اپنے معاملات عورت کے سپرد کر دیئے [21] اور جمہور رائے کی رو سے عورت کو قاضی بنایا جانا درست نہیں۔ [22]

(ج) صاحب عقل وہوش ہونا:

دور عثمانیہ میں قاضی کی تقرری کے لئے صاحب عقل وہوش ہونے کے اصول کی توضیح ہمارے ہاں مجلہ کی عبارت ہذا سے ہوتی ہے کہ: منصب قاضی پر فائز کئے جانے والے فرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ فہم وذکاء کا مالک ہو تاکہ وہ ہر پیش آمدہ معاملہ پر سنجیدگی سے غور وفکر کر کے فریقینِ معاملہ کے مابین حق وانصاف پر مبنی فیصلہ کر سکے۔ نیز وہ امانت دار اور باوقار بھی ہو تاکہ کسی لالچ کا شکار یا کسی کی جاہ وحشمت سے متاثر ہو کر عدل کی صفت سے محروم نہ ہو۔ [23]

شرعی نقطہ نگاہ سے بھی مفاد عامہ کو ہر قسم کے نقصانات سے بچانے کی خاطر عقل وہوش سے محروم شخص کو قضاد پر فائز نہ ہونا چاہیے کیونکہ صاحب عقل وشعور انسانوں میں کسی عقل وہوش سے محروم کا قاضی ہونا ایک بے حقیقت بات ہے۔ لہٰذا قاضی کا صاحب عقل وہوش ہونا اور سہو وغفلت سے محفوظ ہونا منصب قضاء کے لئے ضروری ہے تاکہ عوام کے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات سنوار سکے۔ [24] مجلہ کی عبارت سے اس امر کی بھی وضاحت ہو گئی کہ اس دور میں جس طرح کسی مجنون اور مختل الحواس فرد کی تقرری قاضی کے منصب پر درست نہ تھی اسی طرح اگر خدانخواستہ کسی صحیح العقل فرد کو قاضی بنائے جانے کے بعد جنون لاحق ہو جاتا تو اس کی اہلیت از خود باطل ہو جاتی تھی۔

(د) آزاد ہونا:

ذمہ داری کے کسی بھی منصب کے لئے آزاد ہونا بہت ضروری ہے۔ اور پھر قضاء جیسے اہم فرض کی ادائیگی میں تو اس کی ضرورت واہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب کوئی شخص کسی کا غلام ہو یا کسی وجہ سے دوسرے کا محتاج یا زیر اثر ہو، تو وہ ہر معاملہ میں عدل وانصاف کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

خلافت عثمانیہ میں قاضی اپنے فرائض اور اختیارات کے ادا کرنے میں کلی طور پر آزاد ہوتا تھا، حتیٰ کہ اس سلسلے میں سربراہ وقت کی دخل اندازی بھی موئثر نہ ہوتی تھی جس کی تائید مجلہ کی عبارت: "لازم ہے کہ حاکم / قاضی) سوجھ بوجھ رکھنے والا، سمجھدار، صحیح الحواس، امین، باوقار اور متین ہو" سے ثابت ہے۔ معلوم ہوا کہ باوقار اور متین ہونے کی صفات ایک آزاد شخصیت میں ہو سکتے ہیں، نہ کہ آزادی سے محروم غلام میں۔

شریعت مطہرہ میں بھی آزاد ہونے کی شرط قضاء اور ذمہ داری کے ہر منصب کے لئے ضروری ہے، کیونکہ غلام بے اختیار اور گواہی دینے کے لئے بھی نااہل ہے۔ یعنی قاضی کے منصب پر غلام کا تقرر درست نہیں۔ [25]

(ھ) عادل وصالح ہونا:

خلافت عثمانیہ میں قاضی کے منصب پر تقرر کے لئے عدل ونیک سیرت صفات سے متصف ہونا شرط تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قاضی کے انتخاب میں پوری چھان بین کی جاتی تھی اور ان صفات سے عاری فرد کے انتخاب میں تغافل وتساہل نہ برتا جاتا تھا جس کی تائید مجلہ کی اس گزشتہ عبارت سے ثابت ہے۔[26]

شریعت کی رو سے عادل وصالح ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ صادق القول امانت دار، صالح و پاک دامن، شبہات سے محفوظ، خوشنودی اور ناراضگی میں یکساں اور قابل اعتماد واطمینان ہو، ان صفات میں سے کسی ایک صفت کا فقدان منصب قضاء کے لئے نااہل قرار دیتا ہے۔[27]

جہاں تک شرعی نقطہ نظر سے منصب قضاء پر فاسق کی تقرری اور اس کا فیصلہ نافذ ہونے کا سوال ہے تو اس بارے میں امام شافعیؒ امام مالکؒ، امام احمدؒ، حنفیہ میں امام طحاوی اور جمہور فقہائے اسلام کے نزدیک فاسق کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے اور اس کا فیصلہ نافذ بھی نہیں ہو سکتا۔ البتہ امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ فاسق کو قاضی مقرر کرنا گناہ تو ہے لیکن اس کا فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے، بشرطیکہ یہ فیصلہ قرآن وسنت اور اجماع کے خلاف نہ ہو۔[28]

(و) قوت سامعہ اور قوت باصرہ کی سلامتی:

قوت سماعت اور بصارت کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ جس شخص کی قوت شنوائی اور بینائی میں فرق ہو، اس کیلئے کسی معاملہ کی تہہ تک رسائی ممکن نہیں اس لئے کہ ہر امر کی نشان دہی غور وفکر اور قرائن وآثار ہی سے کی جا سکتی ہے۔ یہ ذرائع تب ہی بروئے کار لائے جا سکتے ہیں کہ جب قوت سماعت اور بصارت درست ہو لہٰذا خلافت عثمانیہ میں نہ صرف قاضی کے منصب پر فائز کرنے کیلئے ان شرائط کا لحاظ رکھا جاتا تھا بلکہ خلافت عثمانیہ کے جملہ صاحب اختیار وذمہ دار حکام کے انتخاب میں بھی ان کو مدِ نظر رکھا جاتا تھا، جیسا کہ مجلہ میں مذکور ہے:

> يَلْزَمُ أَنْ يَكُونَ الْقَاضِي مُقْتَدِرًا عَلَى التَّمْيِيزِ التَّامِّ بِنَاءً عَلَيْهِ لَا يَجُوزُ قَضَاءُ الصَّغِيرِ وَالْمَعْتُوهِ وَالْأَعْمَى وَالْأَصَمِّ الَّذِي لَا يَسْمَعُ صَوْتَ الطَّرَفَيْنِ الْقَوِيَّ.
>
> لازم ہے کہ حاکم میں اتنی صلاحیت موجود ہو کہ انسانوں کے درمیان پوری طرح تمیز کر سکے، اس لئے کسی نو عمر صغیر، مخبوط الحواس، اندھے یا بہرے کا قاضی ہونا جائز نہیں ہے، جو مقدمہ کے فریقین کی اونچی آواز نہ سن سکے۔[29]

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر منصب قضاء سپرد کرتے وقت کسی شخص کی قوت سماعت وبصارت درست ہوتی، پھر بعد میں اس کی آنکھوں کی بینائی اور قوت سماعت زائل ہو جاتی، تو اس کی اہلیت از خود ختم ہو جاتی تھی۔ گویا کہ خلافت عثمانیہ میں قاضی کی تقرری کے لئے جملہ دیگر شرائط کی طرح قوت بصارت وسماعت کی سلامتی بھی شریعت کے

تعین کردہ شرائط وضوابط کے مطابق تھی، جس کی تائید میں علامہ الشربنی کا یہ قول دالّ ہے کہ مدعی اور مدعاعلیہ میں فرق، اقرار وانکار کرنے والوں میں امتیاز اور اثبات حقوق کے لئے قوت سامعہ اور قوت باصرہ بہت ضروری ہے۔[30]

(ز) مجتہد ہونا:

خلافت عثمانیہ میں قاضی کے لئے نہ صرف عالم بلکہ فقیہہ ومجتہد ہونا لازم تھا کیونکہ معاملات سے پوری طرح آگاہی، فقہ سے واقفیت اور اجتہاد کی اہلیت کے بغیر ناممکن ہے اور بالخصوص اس دور کے حالات وواقعات کی مناسبت سے بھی ان اوصاف سے متصف ہونا مزید ضروری تھا کیونکہ خلافت عثمانیہ میں مختلف اقوام اور مذاہب کے پیروکار سکونت پذیر تھے جس کی وجہ سے ان کے رہن سہن، بودوباش اور رسم ورواج ایک دوسرے سے یکسر جدا اور مختلف تھے۔ لہٰذا ایسے معاشرہ میں بہتر طور پر انصاف رسائی کی خاطر معاملہ کے ہر پہلو سے واقفیت اور تدبرانہ سوچ وبچار کی اہم ضرورت تھی جسے ایک مجتہد اور فقیہہ قاضی کے ہوتے ہوئے پوری ہوسکتی تھی جس کی وضاحت مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ان الفاظ میں موجود ہے:

ينبغي ان يكون الحاكم واقفاً على المسائل الفقهية وعلى اصول المحاكمة ومقتدراً على حسم الدعاوي الواقعة وفصلها وفقا لتلك المسائل والاصول

لازم ہے کہ حاکم (قاضی) فقہ کا عالم، ان سے پوری طرح واقف، اصول محاکمہ کا جاننے والا اور دعاوی کو اصول کے مطابق فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔[31]

شرعی نقطہ نظر سے بھی علماء کی متفقہ رائے یہ ہے کہ قاضی عالم ہو۔ علم ناقص کی صورت میں وہ منصب قضاء کا اہل نہیں البتہ اس کے مجتہد ہونے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی، امام مالک، امام احمد، اور بعض حنفیہ کے نزدیک قاضی کا فقیہہ اور مجتہد ہونا شرط ہے، مگر امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ غیر مجتہد کو قاضی بنانا اگرچہ مکروہ ہے مگر اس کا فیصلہ نافذ ہوسکتا ہے۔[32] اس سلسلے میں بعد کے اکثر علماء نے اضطراری اور ہنگامی صورت میں ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق غیر مجتہد کی قضاء کے جواز کا فتویٰ دیا جس کی تصریح ہدایہ اور فقہ کی دیگر کتابوں میں یوں کی گئی ہے، "وہ شخص جوخود تو اجتہاد نہ کرسکتا ہو، مگر اس میں مجتہدین کے اقوال کو سمجھنے کی صلاحیت موجود ہو، اس کے لئے مجتہدین کے اقوال کے مطابق فیصلہ کرنا جائز ہے۔[33] لیکن زیادہ مناسب رائے یہ ہے کہ معاشرہ میں قیام عدل کے لئے معاملات کی تہہ تک رسائی اور مقدمہ کی ظاہری صورت سے ہٹ کر حق وسچائی کو معلوم کرنا، قاضی کا اولین فرض ہے، جو فہم وذکاء، فطانت وذہانت کے بغیر ناممکن ہے، اور یہی اسلام میں قضاء کا بنیادی رکن ہے جس پر علاء الدین طرابلسیؒ نے یوں روشنی ڈالی ہے:

قاضی حق پر فیصلہ اسی وقت کرسکے گا جبکہ کتاب وسنت کا عالم اور اجتہاد بالرائے سے متصف ہوگا، کیونکہ واقعات غیر محدود ہیں، اور نصوص شرعیہ محدود ومعدود

ہیں۔ قاضی کو ہر واقعہ اور ہر حادثہ میں شرعی نص کا ملنا ممکن نہ ہوگا۔ لامحالہ واقعات جدیدہ میں منصوص علیہ مسائل سے استنباط کرنے کی ضرورت پیش آئے گی، اور یہ اسی وقت ہو سکے گا، جبکہ وہ اجتہادی قوت رکھتا ہو۔[34]

قاضی کی تقرری کا طریق کار:

احادیث، سیرت اور تاریخی نقطہ نظر سے دور نبوی □، خلفائے راشدین اور بعد کے جملہ ادوار اسلامی بشمول خلافت عثمانیہ میں قاضیوں کی تقرری میں مذکورِ بالا اصول وضوابط کو مد نظر رکھا جاتا تھا، جہاں تک خلافت عثمانیہ میں قاضیوں کی تقرری کے طریقِ کار کی عملی صورت تھی وہ درج ذیل طریق پر قائم تھی۔

سلطنت عثمانیہ کی تمام رعایا خواہ وہ کیسی ہی ادنیٰ حیثیت کے ہوتے، عہدہ قضاء سمیت سلطنت کے اعلیٰ ترین عہدے کا حصول ان کے لئے ناممکن نہیں تھا بلکہ وہ ان پر مامور ہو سکتے تھے۔ تمام مسلم اور غیر مسلم قانون کی نگاہ میں برابر تھے۔[35]

سلطنت عثمانیہ کے ابتدائی دور میں قاضیوں کا تقرر آزاد مسلمان رعایا سے ہوتا تھا جس کی اہم وجہ یہ تھی کہ سلطنت عثمانیہ کی حدود ایک خاص علاقہ تک محدود تھیں یعنی فتوحات کی بناء پر غیر مسلموں کا وسیع تر علاقہ اس کے دائرہ اختیار میں شامل نہ ہوا تھا۔ بعد میں جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور بہت سے یورپی علاقے زیر نگیں آ گئے تو غیر مسلموں کی حوصلہ افزائی اور ان کو سہولت بہم پہنچانے کی غرض سے قضاء سمیت دیگر شعبہ جات میں ان کا تقرر ہوا۔[36] نیز چونکہ عثمانی حنفی مسلک کے پیروکار تھے اور احناف کے نزدیک غیر مسلموں کے لئے غیر مسلم کو قاضی بنایا جا سکتا ہے[37] اس لئے انہوں نے اس پر عمل کرتے ہوئے غیر مسلموں کے مقدمات کے تصفیے کے لئے غیر مسلم قاضیوں کا تقرر کیا، جس کا ثبوت ہمیں ڈاکٹر محمد عزیر کے ان الفاظ سے بھی ملتا ہے: "غیر مسلموں کے فیصل مقدمات کے لئے غیر مسلم قاضیوں کا تقرر ہوتا تھا"۔[38] مزید برآں سلطان عبد العزیز کے دور میں جب پہلی مرتبہ ایک عدالت عالیہ قائم ہوئی، جسے انصاف وعدل کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ وسیع تر اختیارات حاصل تھے، اس عدالت عالیہ کے ججوں میں بھی عیسائی اور مسلمان ججوں کی تعداد برابر تھی۔[39]

قاضیوں کی تقرری وترقی قابلیت کی بنیاد پر ہوا کرتی تھی۔ علوم اسلامیہ میں اچھے نمبروں پر کامیاب ہونے والے طلباء کی تعیناتی قاضی کے پہلے منصب (جسے دانش مند کہا جاتا تھا) پر ہوتی تھی۔ اس کے بعد دانش مند کو ایک امتحان پاس کر لینے پر ملازم کا عہدہ دے دیا جاتا تھا۔ پندرہ بیس سال تجربہ حاصل کر لینے کے بعد مدرس کے عہدہ پر اس کی تقرری ہو جاتی تھی۔ پھر کافی تجربہ حاصل کر لینے کے بعد مولوی، مولوی کے بعد قاضی استانبول اور پھر قاضی عسکر

کا عہدہ دے دیا جاتا تھا۔ قاضی عسکر کا تقرر سلطان خود کرتا تھا اور آخر میں ترقی دے کر شیخ الاسلام کا عہدہ تفویض کیا جاتا تھا[40] جہاں تک دور عثمانیہ میں قاضی کے لئے اپنے عہدے پر فائز رہنے کا سوال ہے، تو شروع میں وہ طویل مدت تک اپنے عہدوں پر فائز رہتے تھے، مگر جب دولت عثمانیہ کے مشہور وزراء اور بااثر لوگوں میں کمزوری آگئی اور قضاء میں بعض نااہل لوگوں کی سفارشات اور انتساب سے قضاء کا دفتر بھر گیا تو سارے نظام قضاء میں بگاڑ پیدا ہو گیا، جس کی وجہ سے ایک قاضی کی اپنے عہدے پر فائز رہنے کی مدت صرف ایک سال رہ گئی۔[41]

شروع میں قاضیوں کا تقرر سلطان وقت کی صوابدید پر ہوتا تھا۔ عثمان خان (1288ء۔1326ء) پہلے سلطان ہیں، جنہوں نے قیام عدل وانصاف کے لئے حنفی المسلک مسلمانوں کو قاضی مقرر کیا، نیز عدل گستری کے لئے قابل قاضی پیدا کرنے کی خاطر دینی مدارس بھی کھولے۔[42] اور خان (1326ء۔1359ء) (جسے سلطنت عثمانیہ کا بانی کہا جاتا ہے) کے دور میں بھی قاضیوں کا تقرر سلطان کے ہاتھ میں تھا جیسا کہ اور خان کے بارے میں مشہور ہے کہ بہتر منتظم کی حیثیت سے وہ سلطنت عثمانیہ کے پہلے فرماں روا ہیں جس نے مملکت کو کئی سنجاق (ضلعوں) میں تقسیم کرکے عدالتی امور کی انجام دہی کے لئے قاضی مقرر کئے، جو براہ راست سلطان کو جوابدہ ہوتے تھے۔[43] لیکن مراد اول (1359ء۔1389ء) نے جب چندرہ کے باشندے قرہ خلیل کو ترقی دے کر قاضی عسکر بنایا اور پہلی بار قاضی عسکر کا عہدہ قائم کیا تو قاضیوں کے تقرر کی ذمہ داری قاضی عسکر کے سپرد ہوئی۔[44]

سلطان محمد فاتح (1451ء۔1481ء) کے دور میں دو قاضی عسکر ایک یورپ اور دوسرا ایشیاء کے لئے مقرر ہوئے اور ان کے دائرہ اختیار میں ماتحت علاقوں کے قاضیوں کی تقرری سونپ دی گئی۔[45] لہٰذا بقول عبد العزیز محمد عوض، قاضی عسکر رومیلی (یورپ) نے یورپ کے عثمانی صوبوں میں چھوٹے قاضی مقرر کئے اور اناطولیہ (ایشیا) کے قاضی عسکر نے شام اور مصر کے عثمانی صوبوں میں چھوٹے قاضی مقرر کئے،[46] لیکن بعد میں جب شیخ الاسلام کو قاضی عسکر پر فوقیت حاصل ہوئی تو قاضیوں کی تقرری ان کے حوالے ہوئی۔ شیخ الاسلام کو قاضی عسکر پر یہ فوقیت سولھویں صدی عیسوی سے حاصل ہوئی۔[47]

قاضیوں پر شیخ الاسلام کا یہ دائرہ اختیار بعد کے ادوار میں بھی اسی طرح رہا، حتیٰ کہ آخر میں سلطان عبد الحمید ثانی کے دستور اساسی (23 دسمبر 1876ء) کی رو سے قاضیوں کو تقرر کے وقت ملازمت اور دیگر ہر قسم کے مداخلت سے تحفظ کی ضمانت دی گئی۔[48]

خلافت عثمانیہ میں قاضی کی معزولی کے شرائط وضوابط اور شریعت:

خلافت عثمانیہ میں قاضی کی معزولی کا اختیار ہر اُس صاحب مجاز حاکم / قاضی کو حاصل ہوتا تھا جو اس کی تقرری کرتا۔ اس کے بغیر کسی اور حاکم / قاضی کو کسی قاضی کی معزولی کا اختیار حاصل نہ تھا، بالخصوص قاضی کی معزولی پر عمل درآمد اُس وقت ہوتا جب اس سے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جاتی یا اس کی معزولی میں کوئی مصلحت ہوتی ورنہ عام طور پر قاضی کو بلاوجہ معزول نہیں کیا جاتا تھا۔ ہاں اگر بالفرض صاحب مجاز اس کی معزولی کا حکم صادر کر بیٹھتا تو وہ معزول متصور ہوتا تھا، جس کی وضاحت خلافت عثمانیہ کے قانونی مسودہ مجلۃ الاحکام العدلیہ میں یوں مذکور ہے: "للحاکم ان ینصب النائب ویعزله ان کان ماذونا بذلک والا فلا" یعنی "حاکم / قاضی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ مجاز ہو تو اپنا نائب مقرر کرے یا اسے معزول کرے اور اگر اس کے لئے وہ مجاز نہ ہو، تو وہ نہ نائب مقرر کر سکے گا اور نہ اسے معزول کر سکے گا"۔[49]

معلوم ہوا کہ خلافت عثمانیہ میں قاضی کی معزولی کے لئے جو قوانین مدون کئے گئے تھے وہ شریعت سے ماخوذ تھے، کیونکہ شریعت میں بھی اس بارے میں یہی شرائط وضوابط ہیں، جن کی تصریح علماء نے ان الفاظ سے کی ہے۔

امیر یا قاضی القضاۃ جس نے قاضی کو منصب قضاء پر مقرر کیا ہو، وہ اگر کسی قاضی میں اہلیت قضاء کے منافی کوئی امر دیکھے، تو اسے معزول کر سکتا ہے، مثلاً فرائض قضاء کی انجام دہی میں کمزور ثابت ہو رہا ہو، یا کوئی شخص اس سے بہتر اور موزوں موجود ہو، یا موجودہ قاضی کو معزول کر کے ویسے ہی ایک اور شخص کے تقرر میں کوئی بڑی مصلحت ہو، مثلاً کسی فتنہ وفساد کی روک تھام مقصود ہو تو بھی امیر یا قاضی القضاۃ قاضی کو معزول کر سکتا ہے۔[50] ان کے علاوہ دیگر صورتوں میں اس کے لئے قاضی کو معزول کرنا مناسب نہیں ہے، لیکن بالفرض اگر وہ معزولی کا حکم صادر کر ہی ڈالے تو وہ نافذ العمل ہو جائے گا۔[51] نیز جس قاضی کا تقرر سربراہ مملکت نے کیا ہو، اس کو سربراہ مملکت ہی معزول کر سکتا ہے، قاضی کے لئے یہ جائز نہیں کہ امام کے مقرر کردہ کسی ماتحت قاضی کو معزول کرے الا یہ کہ اس معاملہ میں اس (بڑے قاضی) کو سربراہ مملکت نے اپنا نائب قرار دیا ہو۔[52]

خلافت عثمانیہ میں قاضی پر معزولی کا اطلاق اس وقت ہوتا تھا، جب اُسے اپنی معزولی کی خبر یا اطلاع پہنچ جاتی، اطلاع ملنے سے قبل جتنے فیصلے کر بیٹھتا، وہ درست متصور ہوتے، ہاں حکم نامہ یا خبر ملتے ہی جو حکم یا فیصلہ کرتا وہ صحیح نہ ہوتا، اور نہ نافذ العمل ہوتا، جیسا کہ مجلہ کی عبارت سے ظاہر ہے:

> اگر کوئی حاکم / قاضی معزول کر دیا گیا ہو، اور اسے ابھی معزولی کی خبر نہ ملی ہو، تو خبر ملنے تک وہ جتنے فیصلے کرے گا یا حکم دے گا، سب صحیح ہونگے۔

معزولی کی اطلاع کے بعد جو حکم ہو گا وہ صحیح نہیں ہو گا۔[53]

شرعی اصطلاح میں احناف کے نزدیک بھی صحیح تر رائے یہ ہے کہ قاضی اس وقت تک معزول متصور نہیں ہو گا جب تک اسے معزولی کا حکم نامہ نہ پہنچے یا اگر سربراہ مملکت نے قاضی کو لکھا کہ جب میری تحریر پڑھو گے تو اس وقت سے معزول ہو گے، چنانچہ جس وقت بھی اس تحریر کو پڑھے گا یا پڑھ کر سنا دیا جائے گا، تو اس وقت سے معزول متصور ہو گا۔[54]

خلافت عثمانیہ میں اگر کوئی شخص منصب قضاء سونپتے وقت صفت عدل سے متصف ہو تا لیکن بعد میں فسق و فجور میں مبتلا ہو کر فاسق بن جاتا، تو قانونی ضابطہ کے تحت اُسے معزول کرادیا جاتا۔[55] کیونکہ تعینات کرتے وقت بھی صفت عدل سے متصف ہونا اس کے لئے اہم شرط ہوتی تھی، جس پر مجلہ الاحکام العدلیہ کے الفاظ بین دال ہیں: "ينبغي ان يكون الحاكم حكيماً فهيماً، مستقيماً واميناً، مكيناً متيناً"۔[56]

شریعت کی رو سے بھی حنفی علماء کے نزدیک تقرری کے وقت اگر وہ صفت عدل سے متصف تھا لیکن بعد میں فاسق بن گیا تو معزولی کا مستحق ہے لیکن خود بخود معزول متصور نہ ہو گا۔ ایسی صورت میں حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس کو معزول کر دے۔ ہاں اگر بالفرض تقرری کے وقت حکومت نے یہ شرط عائد کی تھی کہ فاسق ہو جانے کی صورت میں وہ از خود معزول ہو گا تو فاسق بنتے ہی معزول قرار پائے گا۔[57]

خلافت عثمانیہ میں قاضی کی موت یا معزولی کے ساتھ اس کے تعین کردہ قاضی یا حکام معزول متصور نہ ہوتے تھے، اسی طرح سلطان وقت کے مر جانے سے قاضی القضاۃ یا قاضی اور قاضی القضاۃ کے فوت ہو جانے کی صورت میں اس کے مقرر کردہ قاضی یا حکام معزول نہیں سمجھے جاتے تھے۔ ہاں وہ حکام یا قاضی جن کا تقرر صاحب مجاز قاضی کسی متعین وقتی ذمہ داری پر کرتا، تو وہ معزول متصور ہوتے تھے جیسا کہ مجلہ میں مذکور ہے: "ولا يعزل نائبه، بعزله او وفاته" یعنی "اگر حاکم مر جائے یا معزول ہو جائے تو اس کا نائب معزول نہیں ہو گا۔[58]

شرعی نقطہ نظر سے بھی قاضی کی موت یا معزولی کے ساتھ وہ تمام لوگ بھی معزول سمجھے جائیں گے، جن کا تقرر قاضی نے کسی متعین وقتی ذمہ داری پر کیا ہو مثلاً کسی متوفی کا ترکہ فروخت کرنے کیلئے۔ زیادہ مقبول رائے یہ ہے کہ اگر سربراہ مملکت نے قاضی کو کسی عہدہ دار کے تقرر کی اجازت نہ دی ہو تو قاضی کی موت یا معزولی کی صورت میں اس کے مقرر کردہ عہدہ دار معزول سمجھے جائیں گے۔ ہاں اگر کسی قاضی کو عدالتی عہدیداروں کے تقرر کی اجازت دی گئی ہو تو پھر یہ عہدہ دار قاضی کے مر جانے سے یا معزولی کی بناء پر معزول نہ ہونگے۔[59] اسی طرح سربراہ مملکت کی موت کی وجہ سے قاضی القضاۃ یا قاضی[60] اور قاضی القضاۃ کے مر جانے کی صورت میں[61] اس کا مقرر کردہ قاضی، یتیموں کا نگران اور اوقاف کا متولی معزول نہ ہو گا۔[62]

قاضی کی معزولی کا طریق کار:

کتب احادیث، سیر اور تاریخ کی رو سے دور نبوی ﷺ اور بعد کے تمام ادوار بشمول خلافت عثمانیہ میں، قاضیوں کی معزولی کے سلسلے میں مذکور الصدر شرائط وضوابط پر عمل ہوتا رہا۔ جہاں تک خلافت عثمانیہ میں قاضیوں کی معزولی کے طریق کار کی عملی صورت تھی وہ حسب ذیل طریق پر قائم تھی:

دور عثمانیہ کے آغاز میں قاضیوں کی معزولی سلطان وقت ہی کے حکم سے عمل میں آتی تھی، جیسا کہ عثمان خان (1288ء۔1326ء) کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ پہلے سلطان ہیں جس نے باقاعدہ قاضیوں کو معزول کیا۔[63] نیز اور خان (1326ء۔1359ء) کے دور میں بھی قاضی اور دیگر اراکین سلطنت کی معزولی سلطان کی ذاتی اختیار میں تھی۔[64] لیکن مراد اول نے 1312ء۔1326ء میں پہلی بار جب قاضی عسکر کا عہدہ قائم کیا تو قاضیوں کی معزولی قاضی عسکر کے سپرد ہوئی۔[65]

محمد فاتح (1451ء۔1481ء) کے دور میں دو قاضی عسکر ایک یورپ اور دوسرا ایشیاء کا تقرر عمل میں آیا اور ان کے دائرہ اختیار میں اپنے علاقوں کے قاضیوں کی معزولی دے دی گئی۔ لیکن بعد میں جب فاتح کے دور میں شیخ الاسلام کو قاضی عسکر پر فوقیت حاصل ہوئی، تو قاضیوں کی معزولی شیخ الاسلام کے ذمہ قرار پائی۔[66]

قاضیوں پر شیخ الاسلام کا یہ دائرہ اختیار بعد کے سلاطین عثمانیہ کے ادوار میں برابر جاری رہا، حتیٰ کہ آخر میں سلطان عبدالحمید خان ثانی (1876ء۔1909ء) کے دستور اساسی (23 دسمبر 1876ء) کی رو سے قاضیوں کو تقرر کے وقت اس بات کی ضمانت بھی دی گئی کہ انہیں معزول نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن استعفیٰ دے سکتے ہیں یا کسی عدالت سے قابل تعزیر قرار دیئے جانے کے بعد معزول کئے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ دفعہ 86 میں ہر قسم کی مداخلت سے تحفظ کی ضمانت دی گئی تھی۔[67]

حاصل کلام یہ کہ اسلام نے مخلوق خدا کو انصاف رسانی کی خاطر قاضی کی تقرری ومعزولی کے لئے جو شرائط وضوابط مقرر کئے ہیں ان پر ادوار اسلامی میں برابر عمل ہوتا رہا۔ خلافت عثمانیہ کے اکثر سلاطین نے بھی اسلاف کے نقش قدم پر گامزن ہوتے ہوئے انہی اصولوں کے تحت قاضیوں کی تقرری ومعزولی کی۔ لہذا ان سے ہٹ کر کسی اور طریقہ سے قاضی کے عہدے پر تعیناتی اور معزولی کا سوال بھی پیدا نہ ہوتا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ سلطنت اس جیسی خوبیوں کے بل بوتے پر اتنی طویل مدت تک قائم رہی۔

حوالہ جات وحواشی

[1] بلیاوی، ابوالفضل، عبدالحفیظ. مصباح الغات. ط: 1950ء, میر محمد کتب خانہ کراچی، ص688؛ الشربینی, شمس الدین الخطیب. مغنی المحتاج. ط: 1993ء, داراحیاء التراث، بیروت, 14/۴،327؛ سرخسی، محمد بن احمد. المبسوط. ط: 1997ء, ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ, کراچی, 14/۴

[2] الحموی، شہاب الدین ابواسحاق ابراہیم بن عبداللہ. ادب القضاء. ط: 1975ء, مجمع اللغۃ العربیۃ، دمشق، ص5

[3] ارسلان، محمد شھیر. القضاء والقضاۃ. ط: 1949ء, دار الارشاد، بیروت, ص22-23

[4] البخاری، محمد بن اسماعیل. الجامع الصحیح. ،ط: 1318ھ, قدیمی کتب خانہ, کراچی, کتاب الصلوۃ, باب القضاء والامان فی المسجد, ا/٦

[5] البیہقی، احمد بن حسین بن علی. السنن الکبری. ط: نشر السنہ, ملتان, 10/114-115

[6] عبدالرحمن، ابراہیم. القضاء ونظامیہ فی الکتاب والسنہ. ط: 1989ء, مرکز بحوث الدراسات الاسلامیہ، مکۃ, ص244-445

[7] الکاسانی، علاء الدین ابوبکر مسعود بن احمد. بدائع الصنائع. ،ط: 1400ھ, ایچ ایم سعید کمپنی, کراچی, ا/۲

[8] سلیم رستم باز. شرح المجلہ. ط: 1305ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت, دفعہ-۲۰۸۱، ص۱۱۶۷

[9] ایضاً، دفعہ ۱۷۹۹، ص۱۱٦۷۔

[10] الماوردی، علی بن محمد بن حبیب. الاحکام السلطانیہ. ط: ایم سعید کمپنی، کراچی، ۴/۴۲۲

[11] ابن عابدین، محمد امین. ردالمختار علی الدرالمختار. ط: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۴/۴۲۲

[12] شرح المجلہ، دفعہ ۱۸۰۵، ص۱۱۷۱

[13] مغنی المحتاج، ۴/۳۷۳

[14] محمد عزیر، (ڈاکٹر). دولت عثمانیہ. ط: 1943ء, معارف پریس اعظم گڑھ، انڈیا، ۲/382؛ خان, محمد انشاء اللہ. ترکوں کی موجودہ ترقیات اور اسلامی دنیا کا فوٹو. ط: 1988ء, حمیدیہ سٹیم پریس لاہور, ص۱۳۳-۱۳۴

[15] القرآن الکریم, النساء4: ۱۴۱

[16] ابن نجیم، زین العابدین. البحر الرائق شرح کنزالدقائق. ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ٦/26

[17] شرح المجلہ، دفعہ 1794، ص۱۱٦۴

[18] بدائع الصنائع، ۷/۳

[19] المغنی المحتاج، ۴/۳۷۵

[20] بدائع الصنائع، ۷/۳

[21] الجامع الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی □ الی الکسری وقیصر، ۲/137

[22] الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، نیل الاوطار، ۸/298

[23] شرح المجلہ، دفعہ ۱۷۹۲، ص ۱۱۶۳۔

[24] مغنی المحتاج، ۴/374

[25] مغنی المحتاج،4/375

[26] شرح المجلہ، دفعہ 1792، ص ۱۱۶۳

[27] مغنی المحتاج، ۴/۴۵۱-452، 375

[28] بدائع الصنائع، ج۷، ص ۳

[29] شرح المجلہ، دفعہ ۱۷۹۴، ص ۱۱۶۴

[30] مغنی المحتاج، ۴/375

[31] شرح المجلہ، دفعہ 1793، ص ۱۱۶۴

[32] بدائع الصنائع، ۷/۴-5، 7

[33] ابن ہمام، کمال الدین محمد بن عبدالواحد. فتح القدیر مع الکفایہ. ط: 1979ء، المکتبہ النوریہ الرضویہ سکھر، پاکستان، ۶/357

[34] مغنی المحتاج، ۴/375-376

[35] خان، محمد انشاءاللہ. سلطنت عثمانیہ اور اس کی باجگذار ریاستوں کی موجودہ حالت. ط: 1906ء، حمیدیہ سٹیم پریس لاہور، ص ۸

[36] Bernard Lewis. The Emergence of Modern Turkey. Oxford University Press, London, (1961)

[37] البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۶/260

[38] دولت عثمانیہ، ۲/382

[39] دلاژون کیئر. تاریخ دولت عثمانیہ. ط: 1939ء، دار الطبع جامعہ عثمانیہ دکن حیدر آباد انڈیا، ۲/46

[40] اسٹینلے لین پول. سلاطین ترکیہ. ط: 1970ء، ایچ-ایم سعید کمپنی، کراچی، ص 527

[41] عبدالعزیز محمد عوض. الادارۃ العثمانیہ. ،ط: 1969ء، المکتبہ الخاصہ، مطابع دار المعارف بمصر، ص ۱۱۱

[42] دولت عثمانیہ، ۱/3، 19

[43] The Encyclopedia Americana. Grolier Incorporated Danburg,1983, Vol.27,p. 257

[44] Gibb,H.A.R, Sir. Islamic Society and the West. OxFord University Press, London, 1967, Vol.1, Part II, P.83

[45] Ibid. Vol. 1, Part II.P- 84, 45,121,122.

[46] الادارۃ العثمانیہ، ص ۱۱

[47] Farmer Edward, L, Comparative. History of Civilization of Asia. West View Pres, Fredric U.S.A 1986, Vol, 1, P. 42

[48] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ط: 1949ء، دانش گاہ پنجاب، لاہور، 1/۴

49 شرح المجلہ، دفعہ 1805، ص ۱۱۷۱

50 مغنی المحتاج، ۴/382

51 ایضاً، ۴/381-382

52 بدائع الصنائع، ۷/16

53 شرح المجلہ، دفعہ ۱۸۰۵، ص ۱۱۷۱

54 مغنی المحتاج، ۴/382

55 ترکوں کی موجودہ ترقیات اور اسلامی دنیا کا فوٹو، ۱/ ۱۳۰-۱۲۹

56 شرح المجلہ، دفعہ ۱۷۹۲، ص ۱۱۶۳

57 فتاویٰ عالمگیریہ المعروف الفتاویٰ الھندیہ. ط: 1975ء, بک ڈپو مسجد روڈ کوئٹہ، ۳/316

58 شرح المجلہ، دفعہ ۱۴۰۵، ص ۱۱۷۲

59 مغنی المحتاج، ۴/382-383

60 سربراہ مملکت اس صورت میں جبکہ تولیت، امامِ عام سے حاصل ہو۔ اس امیر یا امام کے فوت ہو جانے سے قاضیوں کی ولایت باطل نہ ہو گی کیونکہ امیر اپنی ذاتی حیثیت اور شخصی حق کی خاطر کسی کو منصب قاضی پر تعینات کرنے کی بجائے مسلمانوں کے حقوق کی خاطر یہ تقرریاں کرتا ہے۔[بخاری، طاہر بن عبدالرشید. خلاصۃ الفتاویٰ مع مجموعہ الفتاویٰ. ط: 1397ء, مکتبہ الحبیبہ، کوئٹہ، ۴/۶]
حضور اکرم ﷺ نے حضرت عتاب بن اسید کو مکہ المکرمہ کا قاضی مقرر فرمایا جب حضور ﷺ دار فانی سے رخصت ہوئے تو عتاب چھپ گئے، اور قضاء کا کام چھوڑ دیا۔ تو حضرت سہیل نے جا کر ان سے فرمایا اگرچہ نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا لیکن مسلمان باقی ہیں۔ یہ سن کر حضرت عتابؓ نے قضاء کا کام شروع کر دیا، لہٰذا اس پر اجماع منعقد ہو گیا کہ امیر کے فوت ہو جانے پر قاضی معزول نہ ہو گا۔[طالب ہاشمی. خیر البشر ﷺ کے چالیس جانثار. ط: 1982ء, البدر پبلی کیشنز، لاہور, ص ۵۴۴]

61 قاضی القضاۃ اس صورت میں جب کہ تولیت قاضی القضاۃ کے ذریعہ عمل میں آئی ہو تو اس صورت میں صحیح قول یہ ہی ہے کہ قاضی القضاۃ کے فوت ہو جانے سے اس کی تعینات کردہ قاضی معزول نہ ہونگے اس لئے کہ قاضی القضاۃ کی حیثیت تولیت قضاء کے باب میں امیر کے قاصد جیسی ہے۔ پس اس کی طرف سے ہونے والے تقررات پر امیر کی طرف سے کئے گئے تقررات کا اطلاق ہو گا۔
[ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم. الاشباۃ والنظائر. ط: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراتشی, ۱/376-377]

62 دولت عثمانیہ، ۲/13

63 The New Encyclopedia Britannica, William Publishers, Chicago, 1974, Vol, 27, P. 253

64 Islamic Society and the West, Vol: 1 Part II, P. 83.

65 Ibid Vol. 1 Part-II PP. 84, 121, 122.

[66] Comparalive History of Civilization of Asia Vol 1, P- 421.

[67] اردو دائرہ معارف الاسلامیہ، ۱۶/48